خلیفہ وقت کے خطبات براہ راست سننے کی برکات

پاکستان اور ہندوستان کی سیاست کو مشورے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍جنوری ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۸ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹

(الممتحنہ: ۸ تا ۹)

پھر فرمایا۔

تقریباً دس سال کا عرصہ گزر گیا ہے کہ جماعت احمدیہ کیسٹ کے ذریعہ سے خلیفہ وقت کا پیغام تمام دنیا کے احمدیوں تک پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ پہلے صرف آڈیو کیسٹس کے ذریعہ یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کی جاتی رہی، پھر ویڈیو کیسٹس بیچ میں شامل ہو گئیں، لیکن بے حد محنت کے باوجود بہت ہی جانکاہی کے ساتھ کام کرنے کے باوجود بہت ہی معمولی اور کم حصہ جماعت کا تھا جس تک یہ آواز پہنچ سکی، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ کئی ممالک میں خدمت کرنے والوں کی بعض رضا کار ٹیمیں ہیں جو بہت وقت خرچ کرتی ہیں اور ایک کیسٹ سے آگے کیسٹس بنانا، اس بات کا خیال رکھنا

کہ کوالٹی اچھی ہے پھر مختلف پتوں پر ان کو بھجوانا ان کے حسابات رکھنا بڑا، لمبا، محنت کا کام ہے لیکن جماعت کرتی رہی پھر بھی احباب جماعت کی بہت ہی تھوڑی تعداد ہے جن تک یہ پیغام براہِ راست خلیفہ وقت کی زبان میں پہنچتے تھے۔

اس کوشش کی وجہ یہ تھی کہ میرا تجربہ ہے کہ خلیفہ وقت کی طرف سے جو بات کوئی دوسرا پہنچاتا ہے اس کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا براہ راست خلیفہ وقت سے کوئی بات سنی جائے۔ میرا اپنا زندگی کا لمبا عرصہ دوسرے خلفاء کے تابع ان کی ہدایات کے مطابق چلنے کی کوشش میں صرف ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پیغام پہنچائے فلاں خطبہ میں خلیفہ نے یہ بات کی تھی اور خطبہ میں خود حاضر ہو کر وہ بات سننا ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پیغام خواہ کسی کے ذریعے پہنچے اطاعت تو پھر بھی کی جاتی ہے لیکن پیغام کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ پیغام پہنچانے والے میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ جس جذبے کے ساتھ جن باتوں کو ابھار کر نمایاں کر کے پیغام دینے والا پیغام پیش کر رہا ہے بعینہٖ اسی طرح پیغام کو آگے پہنچائے کہ اس کے جذبات، اس کے زیر و بم تمام کے تمام پیغام کے ساتھ دوسرے شخص تک منتقل ہو چکے ہوں، کوالٹی کا بیچ میں ضائع ہونا یعنی اس کے مزاج کا بیچ میں ضائع ہو جانا ایک ایسی طبعی بات ہے کہ انسان کی یادداشت تو زیادہ بھولتی ہے لیکن الیکٹرانکس کی یادداشت کے ذریعہ جو پیغام کیسٹ سے کیسٹ میں منتقل کئے جاتے ہیں تیسری چوتھی پانچویں Generation میں جا کر اس کیسٹ کا مزاج بھی بدل جاتا ہے اور وہ بات ہی نہیں رہتی جو بھی کیسٹ میں تھی اس لئے Mother کیسٹ کو ہمیشہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے تا کہ آگے اسی سے بار بار دوسری کیسٹس تیار ہوں تو یہ مشکل تھی جس کی وجہ سے جماعت نے کوشش کی کہ کیسٹس کے ذریعہ پیغام پہنچے تو کیسٹ کے واسطے سے احباب جماعت پورا پیغام خود سنیں لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بہت محنت کے باوجود وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔

بعض جماعتوں کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہاں اگر دس ہزار آبادی ہے تو بمشکل دو یا چار سو ایسے احمدی ہیں جو استفادہ کر سکتے تھے یا کرتے رہے اور باقیوں کے متعلق محض رپورٹ ہی ملتی رہی کہ کیسٹس بھجوائی جا رہی ہیں اب اللہ تعالیٰ نے وہ انتظام فرما دیا ہے کہ جہاں تک خطوط سے میں نے اندازہ کیا ہے، اتنے دور دراز علاقوں میں بیٹھے لوگ نہ صرف براہ راست سن رہے ہیں بلکہ دیکھ رہے

ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے حیرت سے انسان آج کی دنیا کی سائنس کا منہ تکتا رہ جاتا ہے کہ اس نے انسان کے لئے کیسی کیسی سہولتیں مہیا کر دی ہیں۔ زمبابوے سے خط ملتا ہے، نائیجیریا سے خط ملتا ہے، مشرق بعید سے خط ملتے ہیں دور دراز کے علاقوں سے خطوط ملتے ہیں اور وہ سب یہ بیان کر رہے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ ہمارے سامنے کھڑے ہوں اور ہم اسی مجلس میں بیٹھے ہوں یہ پورے کا پورا احساس منتقل ہو جانا یہ نہ کیسٹ کے ذریعہ ممکن ہے، نہ وڈیو کے ذریعہ ممکن ہے وڈیو میں بھی اگرچہ تصویر دکھائی دیتی ہے مگر کوئی زندہ تأثرات نہیں پہنچتے، وڈیو ایک قسم کی تصویر ہے لیکن براہِ راست ٹیلی ویژن کے ذریعہ پیغام اور تصویر جب پہنچتے ہیں تو اس کے ساتھ زندگی بھی پہنچ رہی ہوتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو اس مجلس کا حصہ محسوس کرتا ہے اسی طرح اس کا دل دھڑکتا ہے یہ کیفیات سب دنیا سے مل رہی ہیں اور ایک اور خوشکن بات یہ کہ بہت سے غیر مسلم بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اب ہمارے خطبات میں شامل ہونے لگ گئے ہیں اور دوسری تقاریب میں بھی براہ راست ٹیلی ویژن سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ابھی دو دن پہلے نائیجیریا کے ایک بہت تعلیم یافتہ صاحب حیثیت عیسائی دوست تشریف لائے تھے اور مجھے انہوں نے بتایا کہ میں نے آپ کا فلاں خطبہ بھی سنا تھا جو قادیان کے جلسہ سے پہلے کا تھا اور جلسے کے پہلے دن کی تقریب میں بھی شامل ہوا، آخری تقریب میں بھی شامل ہوا اور میرے دل پر اتنا اثر پڑا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا کہ کیا کیفیت ہے، وہ دعا کی غرض سے اور یہ بتانے کے لئے حاضر ہوئے تھے کہ میں مستقل تعلق رکھنا چاہتا ہوں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اس طرح بات اور بھی پھیلتی چلی جا رہی ہے، ایک سے سن کر دوسرا دیکھنے کا خواہش مند ہو جاتا ہے اور پھر اس سے تیسرا، اللہ کے فضل سے اب یہ غیر مسلموں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کا ایک بہت ہی عمدہ ذریعہ ثابت ہوگا۔

پھر ربوہ میں اور ربوہ سے باہر پاکستان کی دوسری جماعتوں میں تربیت کے لحاظ سے مجھے بڑی سخت فکر رہتی تھی کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ کسی کی معرفت پیغام پہنچنا اور بات ہے اور پھر درمیان میں ایک مشکل یہ آپڑتی ہے کہ جو لوگ رفتہ رفتہ کمزور ہو رہے ہوں، ڈھیلے پڑ رہے ہوں ان تک پیغام ویسے ہی نہیں پہنچتا یعنی وہ مسجد میں حاضر ہوں تو ان تک بات پہنچے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر عہدیدار ہر گھر کا دروازہ کھٹکھٹائے اور ہر کمزور جو گھر میں بیٹھ رہنے والا ہے اس تک آواز پہنچائے لیکن

اب یہ معلوم ہو رہا ہے اور یہ صرف پاکستان کا ہی حال نہیں بلکہ باقی جماعتوں سے بھی یہی اطلاع مل رہی ہے کہ وہ احمدی جو بہت سست تھے جو کبھی جمعوں میں ہی نہیں آتے تھے جو کبھی دوسری مجالس میں شریک نہیں ہوتے تھے ان کے لئے بھی یہ بالواسطہ سننے کا مگر اس طرح سننے کا جو یہ ایک نیا طریق ہے کہ گویا براہ راست ہی سن رہے ہیں اتنا جاذب نظر ہے، اتنا دلکشی والا ہے کہ محض شوق کی خاطر لوگ آجاتے ہیں اور جو معین اندازہ ملا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ بعض جگہ جمعہ میں اگر دس ہزار شامل تھے یعنی زیادہ سے زیادہ اتنے شامل ہونے والے تھے تو اتنے سست پیچھے پڑے ہوئے بھی تھے کہ جب انہوں نے ایک پروگرام کی گنتی کروائی ہے تو اس پروگرام میں ۲۳ ہزار تھے۔ پس خوشی کی بات یہ ہے کہ جو اس میں شامل ہوتے ہیں وہ پھر جمعہ میں بھی آنے لگ جاتے ہیں اور ان کی توجہ نمازوں کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ کثرت سے ایسے خطوط مل رہے ہیں کہ ہم ویسے ٹھیک ٹھاک تھے مگر نمازوں میں سستی تھی، بعضوں نے لکھا ہے کہ ہم نماز پڑھتے تو تھے لیکن جمع کر کے اور اب آپ سے جب ان موضوعات پر براہ راست باتیں سنی ہیں تو خدا کے فضل سے ہم نے قطعی طور پر یہ فیصلہ کر لیا ہے (یعنی سارے گھر کی طرف سے یہ پیغام تھا کہ میں، میری بیوی، میرے بچے ہم سب مل کر یہ فیصلہ کر چکے ہیں) کہ اب آئندہ باقاعدہ اہتمام سے نماز کو پڑھا جائے گا وقت پر پڑھا جائے گا بلکہ گھر میں بھی باجماعت نماز پڑھی جائے گی۔ تو یہ سارے فوائد ہیں جن کی طرف پہلے جب پروگرام شروع ہوا ہے تو اتنی نظر نہیں تھی میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے فضل کے ساتھ یہ اللہ کی غیر معمولی تقدیر ہے جو جماعت کو ترقیات کے ایک نئے عظیم الشان دور میں داخل کر رہی ہے۔

ایک صاحب نے یہ لکھا کہ جب ہم یہ سن رہے تھے تو مجھے آپ کا وہ شعر یاد آیا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کہ

یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا، پھیلتی جائے گی شش جہت میں صدا
تیری آواز اے دشمن بدنوا! دو قدم دور دو تین پل جائے گی (کلام طاہر:۱۴)

اس نے لکھا کہ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ ساری دنیا میں یہ آواز پھیل رہی ہے اس پر مجھے یہ خیال آیا کہ جو بظاہر اتفاقی باتیں ہوتی ہیں ان میں جب خدا تعالیٰ اپنی تقدیر ڈالتا ہے تو الفاظ درست ہو جایا کرتے ہیں عام طور پر چہار دانگ عالم میں یا ساری دنیا میں چاروں طرف کے محاورے استعمال

کئے جاتے ہیں آواز کے شش جہت میں پھیلنے کا محاورہ میرے علم میں نہیں آیا کہ پہلے کبھی استعمال ہوا ہو لیکن اس وقت بغیر سوچے یعنی بغیر کوشش کے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں یا کہنا چاہتا ہوں، شش جہت کا لفظ مجھے اچھا لگا اور وہی محاورہ منہ سے نکلا اور اب ٹیلی ویژن کے ذریعے شش جہات ہیں جو استعمال ہو رہی ہے کیونکہ چاروں طرف کا سوال نہیں ہے آواز اور تصویر پہلے اوپر آسمان کی طرف جاتی ہے پھر آسمان سے زمین کی طرف مڑتی ہے پھر چاروں طرف پھیلتی ہے تو خدا تعالیٰ نے شش جہات کے لفظ بھی پورے فرما دیئے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ بعض دفعہ تصرّفات کے تابع بعض کلمات انسان کے منہ سے نکلتے ہیں اور خود کہنے والے کو ان کی کنہہ کا علم ہی نہیں ہوتا کہ میں کیوں کہہ رہا ہوں اور بعد میں یہ بات کیا بن کر نکلے گی، تو یہ اللہ کے احسانات ہیں۔

میں تمام دنیا کی جماعتوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جن کمزوروں کے دل میں ایک اچنبھے کی خاطر ہی سہی، تعجب کی وجہ سے ہی سہی، ایک شوق تو پیدا ہوا ہے کہ مجھے ٹیلی ویژن کے ذریعہ سے دیکھیں اور سنیں اگر وہ ایک دو دفعہ سن کر واپس چلے جائیں تو ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا، ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جو آئے وہ مستقل آجائے جو ہمارا ہو ہمارا ہو کر رہ جائے، آکر چلے جانے والوں سے ہمیں کوئی مقصد، کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ دل میں بڑی تمنا یہ ہے کہ ساری جماعت ایک مرکز کے گرد اس طرح اکٹھی ہو جائے جس طرح شہد کی مکھیاں شہد کی ملکہ کے گرد اکٹھی ہوتی ہیں اور اپنی الگ زندگی کا تصور ہی نہیں کرسکتیں اور الگ زندگی میں وہ Survive نہیں کرسکتیں یعنی ان کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں۔ اکیلی اکیلی مکھی لازماً مر جایا کرتی ہے۔ تو یہی روحانی جماعتوں کا حال ہوتا ہے تبھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے مرکزیت پر اتنا زور دیا ہے کہ دنیا کے کسی مذہب میں اتنا زور نہیں دیا گیا۔ پس جو بکھرے بکھرے احمدی ہیں، جو کناروں پر چلے گئے، جن کا مرکز سے تعلق کمزور ہو گیا، اب بہت اچھا موقع ہے کہ جب وہ ایک دفعہ آجائیں تو ان کو اپنا لیا جائے، ان سے محبت اور پیار کا سلوک کیا جائے، آئندہ اگر وہ نہ آئیں تو ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجے جائیں اور اسی طرح اور کمزوروں کی تلاش کی جائے کہ جہاں جہاں کوئی کمزور ہے وہاں اس تک پہنچ کر اسے یہ تحریک کی جائے کہ ایک دفعہ آجاؤ دیکھ تو لو اور پھر میں امید رکھتا ہوں کہ جو رفتہ رفتہ آجائے وہ پھر خدا کے فضل سے آہی جاتا ہے۔

جہاں تک غیر احمدی مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے متعلق بھی ہر جگہ سے یہی خبریں مل رہی ہیں کہ جو ایک دفعہ آجائے پھر وہ نہیں چھوڑتا اور بار بار آتا ہے اور بعض لوگ تو جماعت احمدیہ کی آنحضرت ﷺ کی محبت سے اتنا غیر معمولی طور پر متأثر ہوتے ہیں کیونکہ کسی نہ کسی خطبہ میں کسی نہ کسی تعلق میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر چل پڑتا ہے تو سچی آنکھیں سچائی کو پہچان لیتی ہیں سوائے اس کے کہ کوئی جھوٹ سے اپنی آنکھوں کو مسخ کر دے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک سچی آنکھ سچائی کو نہ پہچان سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر انسانوں کو دراصل سچی آنکھیں ہی دی ہیں وہ خود اپنی آنکھوں کو مسخ کرتے ہیں اور جان بوجھ کر جھوٹ دیکھتے ہیں مگر ساتھ ساتھ سچائی کی آواز بھی پہنچتی ہی چلی جاتی ہے۔ پس جن جن آنکھوں نے احمدیوں کو دیکھا ہے اور قریب سے دیکھا ہے اگر وہ اللہ کے فضل کے ساتھ مسخ شدہ آنکھیں نہ ہوں تو وہ یہ پیغام اپنے دماغ کو پہنچاتی ہیں کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے عاشقوں کی جماعت ہے اور یہی پیغام ہر طرف سے آرہے ہیں بعض غیر احمدیوں کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں بھی مل رہی ہیں۔ تو اس سلسلہ کو اللہ کے فضل کے ساتھ آپ اور زیادہ عام کرنے کی کوشش کرتے چلے جائیں اور ہوگا تو سہی کیونکہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ **اللہ کی تقدیر ہے جس نے جماعت کو اس نئے دور میں داخل کیا ہے اور یہ سلسلہ اب پھیلنا ہی پھیلنا ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی، ہوا کے رخ پر چل کر اس کی مدد کریں تو مفت کا ثواب حاصل ہوگا۔**

اب میں اس مضمون کی طرف واپس آتا ہوں جسے مکمل کئے بغیر میں نے مجبوراً چھوڑ دیا تھا کہ وقت ختم ہو گیا تھا جب جماعت احمدیہ سب دنیا کے غم کی باتیں کرتی ہے۔ سب دنیا کے فکر، دل سے لگا کر ان کی اصلاح کی کوشش کرتی ہے تو بہت سے لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ان کی حیثیت کیا ہے، طاقت کیا ہے، یہ کیسے دنیا کے حالات بدل سکتے ہیں اور بہت سے احمدی دانشور بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہاں سمندر میں ایک قطرہ زائد ڈالنے والی بات ہے ورنہ تو کوئی حیثیت نہیں ہے اور بعض یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ ہمیں وہ کام سہیڑنے کی ضرورت کیا ہے جس کام کی ہم میں طاقت نہیں ہے تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہماری فطرت میں اگر یہ بات ہو کہ کسی کا غم محسوس کریں اور کسی کا دکھ دور کرنے کی کوشش کریں تو ہم تو مجبور ہیں اس میں عقل کا قصہ نہیں دل کی مجبوریوں کی بات ہے۔ ایک شخص جو ہمدرد ہو وہ کسی جگہ کسی کو تکلیف میں دیکھتا ہے تو طبعاً اس کے دل میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور بے اختیار

قدم اس طرف اٹھتے ہیں تا کہ اس کی تکلیف کو دور کیا جائے ہمیں تو اس سے بہت زیادہ بڑھ کر بنی نوع انسان سے محبت ہے اس لئے کہ ہم حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں ہم ان لوگوں کے غلام نہیں جن کو دنیا کی جو فکر ہے وہ لطیفے کے طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اردو میں ایک محاورہ ہے چھیڑنے کی خاطر کہتے ہیں کہ قاضی جی تم دبلے کیوں ہو گئے ہو جواب دینے والا جواب دیتا ہے شہر کے اندیشے میں اور سارے ہنستے ہیں کیونکہ لطیفے کا پیغام یہ ہے کہ تمہیں اس سے کیا دنیا مرتی ہے تو مرتی پھرے تم کیوں پاگل ہوئے ہوئے ہو یعنی ایسا قاضی جو شہر کے اندیشے میں دبلا ہو جائے اس کے ساتھ رونے کی بجائے اس پر ہنسا جاتا ہے لیکن ہم کسی ایسے قاضی کے غلام نہیں ہیں ہم تو اس آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام ہیں جس نے کل عالم کے اندیشے دل کو لگا رکھے تھے جن کے متعلق خدا آسمان سے بار بار گواہی دیتا تھا کہ اس دنیا کے غم میں تو اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا۔ پس اگر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے کسی کو سچا پیار ہے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ دنیا کے اندیشے دل کو نہ لگا بیٹھے یہ اس کے لئے فطرت کا ایک طبعی تقاضا ہے، اس کے سوا کوئی طریق کار ہی میسر نہیں ہے۔ پس اگر احمدی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت میں سچا ہے تو اسے لازماً یہ اندیشے دل کو لگانے ہوں گے بلکہ اس کے بغیر اس کا محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہی سچا ثابت نہیں ہو سکتا۔ پس یہ مجبوریاں ہیں ہم نے تو یہ کام کرنا ہی کرنا ہے ہمیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس کام سے روک نہیں سکتی لیکن سوال یہ ہے کہ جو کام اپنی طاقت سے بڑھ کر ہو اس میں طریق کار کیا ہونا چاہئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کوئی کام بھی کسی انسان کی طاقت سے بڑھ کر نہیں ہے اگر عقل اور فہم کے ساتھ اس کام کی اونچ نیچ کو سمجھا جائے اس کے سارے مسائل پر نظر رکھ کر صحیح تجزیہ کیا جائے تو خدا تعالیٰ نے ہر انسان میں یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ پھیلا کر اپنی خوبیوں کو تمام دنیا تک عام کر دے یہ نکتہ مجھے نبوت سے سمجھ آیا، ایک نبی کو خدا کھڑا کرتا ہے، ساری قوم کے حالات اس نے بدلنے ہوتے ہیں، ایسی قوم کے حالات اس نے بدلنے ہوتے ہیں جو نیکی کو قبول کرنے پر کسی صورت آمادہ نہیں ہو رہی ہوتی، جو ہر پھول کے بدلے پتھر مارنے پر تیار ہو۔

اب اگر دنیا کی اس منطق کو اس پر لگا کر دیکھیں جس کی میں بات کر رہا ہوں کہ تم تھوڑے سے کمزور سے لوگ ہو، تمہیں دنیا کے غم سہیڑنے کی مصیبت کیا پڑی ہے اور سہیڑ بھی لو تو کر کیا سکتے ہو

اس کا جواب میں دے رہا ہوں کہ ہم نے جب نبوت کے مضمون پر غور کیا تو ہمیں سمجھ آئی کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں میں تقدیریں بدلنے کی صلاحیتیں رکھی ہیں۔ صرف منہاج نبوت پر چلنا ضروری ہے ایک نبی کو خدا کھڑا کرتا ہے اور ساری قوم کے حالات بدل دیتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام دنیا کے حالات بدلنے کے لئے کھڑا کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی معقولیت نہ ہو، کوئی گہرا سچا فلسفہ نہ ہو تو خدا تعالیٰ ایسی بات کر ہی نہیں سکتا۔ پس جماعت احمدیہ کیونکہ حقیقی طور پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی غلام ہے اور عاشق ہے اور آپؐ ہی کی خاطر قائم کی گئی ہے آپؐ ہی کے پیغام کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے اس جماعت کو دنیا میں کھڑا کیا گیا ہے اس لئے اس کی بنیادی صفت یہ ہونی چاہئے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بنیادی صفت تھی یعنی رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیاء:۱۰۸) تمام جہانوں کے لئے رحمت بننا ہوگا۔

تبھی میں نے پچھلے خطبہ میں اپنے آپ کو انسانیت کے لئے وقف کرنے کی تعلیم دی تھی، یہ کہا تھا کہ اس سال کو انسانیت کا سال بنائیں۔ جتنی طاقت ہے اس طاقت کے مطابق آپ دنیا کو صحیح پیغام پہنچائیں لیکن طاقت کے صحیح استعمال کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر صحیح استعمال ہو تو انسان کمزور ہونے کے باوجود بھی بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ ایک دریا کا رخ بدلنا ہو تو اگر وہاں سے رخ بدلے جائیں جہاں سے دریا نکلتے ہیں تو بہت آسانی کے ساتھ وہ کام ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا بعد میں شامل ہوتے رہتے ہیں اس لئے یہ کام پھیلا ہوا اور مشکل بھی دکھائی دے سکتا ہے لیکن جب سمتیں مقرر کی جائیں تو آغاز میں جو زاویہ ہے اس کا بدلنا تو مشکل نہیں ہوا کرتا اور زاویے کے بدلنے سے دور دور کے کنارے پر زمین آسمان کا فرق پڑتا دکھائی دیتا ہے پس عقل سے کام لیا جائے اور آغاز میں کوشش کی جائے، ان جگہوں پر ہاتھ ڈالا جائے جو منبع کی حیثیت رکھتی ہوں، جو بنیادی زاویوں کی حیثیت رکھتی ہوں تو وہ کام جو بظاہر آپ کی طاقت سے باہر ہو وہ آپ کی طاقت کے دائرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

ابھی میں نے تحریک کی تھی کہ مختلف جہت سے انسانوں کے لیڈروں اور رہنماؤں تک پہنچیں۔ جب سر تک پہنچیں گے، جب دماغ تک پہنچیں گے تو جسم کے ہر عضو تک پہنچنا ضروری نہیں رہتا پھر وہ دماغ جو آپ کی باتیں سن کر آپ کا قائل ہوتا ہے وہ از خود اپنے جسم کو آپ کے تابع کر دے

گا۔ پس یہ وہ وقت ہے کہ لیڈروں تک پہنچنا ضروری ہے افریقہ میں جو عظیم الشان انقلابی تبدیلی واقعہ ہوئی ہے کہ جہاں دو دو، تین تین ہزار احمدی ہوتے تھے وہاں اب پچاس پچاس ہزار سالانہ احمدی ہونے لگے ہیں وہاں یہی ترکیب استعمال کی گئی اور یہی میں نے وہاں کے امراء کو سمجھایا کہ تم یہ کر کے دیکھو انفرادی طور پر تم کب تک افریقہ کو تبدیل کرنے کی کوششیں کرتے رہو گے۔ ایک ایک کے پاس پہنچو گے تو جتنے تم تبدیل کرو گے اس سے زیادہ تمہارے مخالف بچے پیدا ہو رہے ہوں گے۔ ایسے لوگوں تک پہنچو جن تک پہنچنے کے ساتھ تم ہزاروں تک پہنچتے ہو اور دنیا میں بعض ایسے بھی ہیں جن تک پہنچنے سے انسان لاکھوں تک پہنچ سکتا ہے تو ان تک پہنچو اور قوم کے سربراہوں کو پکڑو، ان کو قائل کرو جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں وہ خود بخود چلے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جن جن ممالک میں اس نصیحت پر عمل کیا گیا وہاں حیرت انگیز تبدیلیاں ہوئیں۔ بعض جگہ نہیں کیا گیا اور اپنا وقت ضائع کیا گیا پھر پیچھے پڑ کر باہر سے مرکز سے آدمی بھجوا کر زبردستی ان سے یہ طریق جاری کروایا گیا اور دیکھتے دیکھتے اب ان کی رپورٹوں کی کیفیت ہی بدل گئی ہے کایا پلٹ گئی ہے ابھی کل ہی ایک ملک سے رپورٹ آئی ہے جو پہلے کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کی ساری باتیں مان رہے ہیں، سب ہدایتوں پر عمل کر رہے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکل رہا، اب رپورٹ آئی ہے تو خوشیوں سے یہ لگتا ہے کہ قلم سے سیاہی اچھل اچھل کر نکلی ہوگی، کود کود کر باہر آ رہی ہوگی۔ کہتے ہیں عجیب واقعہ ہوا ہے فلاں جگہ جب ہم نے مہم چلائی تو اتنے ہزار احمدی ہو گئے جہاں پہلے سال میں ایک ایک، دو دو، چار چار بھی نہیں ہوا کرتے تھے ان علاقوں میں اب دس دس ہزار احمدی ہونے لگ گئے ہیں۔ تو یہ ایک آزمودہ نسخہ ہے ساری جماعت کو اس کو استعمال کرنا چاہئے۔

جو شریر لوگ ہیں ان کے بھی بعض سربراہ ہوتے ہیں اگر ان کی اصلاح کرنی ہے تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ سربراہوں کو پکڑو اور دنیا کے سیاستدان ہمارے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اس وقت ان کو سمجھانے کی ضرورت ہے اور اگر وہ سمجھ جائیں تو ساری دنیا سے فساد اٹھ سکتے ہیں یا کم سے کم سمٹ ضرور سکتے ہیں اس سلسلہ میں چند باتیں میں خصوصیت کے ساتھ تیسری دنیا کے سیاستدانوں کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں میری بات براہ راست تو ان تک نہیں پہنچے گی لیکن جماعت احمدیہ میں جہاں جہاں بات پہنچانے کی استطاعت ہے وہاں ان لوگوں کو سمجھائیں اور عقل دیں۔

جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے۔سیاست میں گرتی ہوئی اخلاقی حالت دنیا کے لئے اس وقت سب سے بڑا خطرہ بنی ہوئی ہے اور تیسری دنیا کا سیاستدان تو اخلاقی لحاظ سے تقریباً دیوالیہ ہو چکا ہے۔ان کے ہاں تین ہی مقاصد ہیں اس کے سوا معلوم ہوتا ہے سیاست میں حصہ لینے کا اور کوئی مقصد ان کو دکھائی ہی نہیں دیتا، اول طاقت حاصل کرنا، دوسرا طاقت سے چمٹے رہنا، طاقت ایک دفعہ حاصل ہو جائے تو جو کچھ ہو جائے اس کو چھوڑ نا نہیں، تیسرا یہ کہ طاقت حاصل کر کے تمام قومی اور ملی مفادات کو ذاتی خاندانی اور جتھے کے مفادات میں تبدیل کرنا۔ یہ تین باتیں ہیں جو اس وقت تیسری دنیا کی سیاست کا خلاصہ بن گئی ہیں اور اس کے نتیجہ میں ساری قوم اتنا مصیبتوں میں مبتلا ہوتی ہے اور اس طرح ظلم کی چکی میں پیسی جاتی ہے کہ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ ہو کیا رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہی تین باتیں ہیں جو ہر برائی کی ذمہ دار بن چکی ہیں۔سیاستدانوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ تم عقل اور شعور سے کام لو قوم کے دور کے مفادات کی بات سوچو ورنہ تم لوگ سارے پیسے جاؤ گے تمہاری داستانیں مٹ جائیں گی۔ یہ وہ دور ہے جبکہ تیسری دنیا کے سیاستدان کو باشعور ہو کر عالمی مسائل کو سمجھتے ہوئے ان کے حوالے سے اپنی سیاست کو درست خطوط پر چلانا ہوگا۔

اب میں ہندوستان اور پاکستان کے سیاستدانوں کی مثال دیتا ہوں یہ دونوں سیاستدان ایک لمبے عرصہ سے عوام کے جذبات سے کھیل رہے ہیں اور جو باتیں نفرتیں پیدا کرتی اور ہیجان پیدا کرتی ہیں ان کو استعمال کرتے ہیں یہاں تک کہ دن بدن عوامی مزاج مشتعل ہوتا چلا جا رہا ہے اور ہیجان پکڑتا چلا جا رہا ہے اور سیاستدان سوچتا ہی نہیں کہ اس کے نتیجے میں کیا نقصانات ہوں گے ایک وقت آتا ہے کہ پھر یہ دونوں ملک جنگوں میں مبتلا ہوتے ہیں جیسا کہ کئی دفعہ ہوئے اور ہر جنگ کا نقصان غریب کو پہنچتا ہے اور ایک مستقل نقصان ہے جو غریب کے سر پر سوار ہے، اس کی چھاتی پر مونگ دل رہا ہے لیکن اس کے منہ میں مونگ کا دانہ نہیں پڑتا اور وہ یہ ہے کہ انتہائی غریب ہونے کے باوجود یعنی امیر ملکوں کے مقابل پر دیکھیں تو پاکستان اور ہندوستان انتہائی غریب ہیں اس کے باوجود ان کے ڈیفنس پر یعنی دفاع پر اخراجات امیر ملکوں سے دسیوں گنا زیادہ ہیں ساری قومی دولت کا ساٹھ ساٹھ فیصد دفاع پر خرچ ہو رہا ہے اور جتنا ہندوستان میں ہو رہا ہے ویسا ہی پاکستان میں ہو رہا ہے ایک دوسرے سے اس بات پر مقابلے ہوتے ہیں کہ دفاعی ضروریات سب سے اہم ہیں اور اس نعرے کی

اوٹ میں غریبوں کا پیٹ کاٹ کر ساری قوم کی دولت کو ایک ہی سمت میں بہایا جاتا ہے اور مزید تقاضے ہوتے چلے جاتے ہیں اور جب بھی یہ سوال اسمبلیوں میں اٹھایا جاتا ہے تو آگے سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کیا تم قوم کے وفادار نہیں ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ خطرات ہیں اور قوم کی بقا ہر دوسری چیز پر فائق ہے یہ بات تو درست ہے لیکن یہ نعرہ کھوکھلا ہے۔ قوم کی بقا انسانوں کی بہبود کے لئے کی جاتی ہے اگر قوم کی بقا انسانی بہبود کے خون چوس جائے تو اس بقا کا کیا مقصد ہے اور خطرات کے متعلق یہ دیکھا نہیں جاتا کہ آ کہاں سے رہے ہیں۔

خطرات دونوں ملکوں میں اندرونی ہیں۔ یہ نیتوں کے فسادات ہیں خود غرضیوں کے فسادات ہیں یا کم عقلیوں کے فسادات ہیں۔ دونوں ملکوں کے غریب عوام کو بعض جذباتی نعروں میں مبتلا کر کے ان کو اتنا زیادہ مشتعل کر دیا جاتا ہے اور پھر ان کی سوچوں کو ایسا ماؤف کر دیا جاتا ہے کہ وہ آئندہ اپنے وہی رہنما چنتے ہیں جو ان باتوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے ہیں عقل دینے والے رہنما قوم کو پسند ہی نہیں رہتے گویا کہ سیاستدان صرف اپنی معقول سیاست کی قبر ہی نہیں کھودتا بلکہ ہمیشہ کے لئے قوم کے مفادات کو دفنا دینے کے لئے ایک قبر کھود رہا ہوتا ہے۔ جب میں ہندوستان گیا تھا تو وہاں بعض دانشوروں سے میری گفتگو ہوئی تو مثلاً کشمیر کے مسئلے پر میں نے ان سے کہا کہ آپ عقل سے کام لیں اور اس مسئلہ کو اس طریق پر سلجھائیں تفصیلی باتیں ہوئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ تو یوں ہے کہ پاکستان یوں کر رہا ہے اور فلاں یوں کر رہا ہے میں نے کہا کہ دیکھیں آپ یہ فرضی اور مصنوعی باتیں چھوڑ دیں واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ملک کا غریب کشمیر کی چکی میں پیسا جا رہا ہے اگر کشمیر کا مسئلہ اتنی دیر تک نہ چلایا جاتا تو ہندوستان کے دفاع پر آپ کو دسواں حصہ بھی خرچ نہ کرنا پڑتا۔ یہی حال پاکستان کا ہے کیا یہ حقیقت ہے کہ نہیں اگر ہے تو عقل سے کام لیں غور کریں کہ اتنی خوفناک خون چوسنے والی جو جونک آپ کے ساتھ لگ گئی ہے اس کو اتارنا کس طرح ہے۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ جونک پالنے کے لئے سارا خون بنایا جا رہا ہے جب تفصیل سے باتیں آگے بڑھیں تو پھر وہ بات سمجھ گئے اور میں اس بات سے بڑا خوش ہوں کہ ہندوستانی سیاست دانوں نے جب بات سمجھی ہے تو اس کے مطابق پھر اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ بات سمجھ کر انہوں نے کہا کہ میں اب بات سمجھ تو گیا ہوں کہ ضرورت اسی بات کی ہے اور جو اصول آپ نے بیان کئے ہیں ان سے

بھی مجھے اتفاق ہے کہ انہی اصولوں پر معاملے طے ہونے چاہئیں مگر کریں کیا ہمارے عوام اس کو سن ہی نہیں سکتے، عوام میں ان باتوں کی برداشت کی طاقت نہیں ہے۔ میں نے کہا ہے یہ کیوں ہوا ہے اس لئے کہ بیس، تیس، چالیس سال سے آپ لوگ یعنی قوم کے رہنما عوام کا مزاج بگاڑ رہے ہیں اس کی بیماریوں کی پرورش کررہے ہیں اس کے مزاج کی اچھی صحت مند حالتوں کو اجاگر کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

نبضوں پر ہاتھ رکھنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک حکیم ہے جو نبض پر ہاتھ رکھتا ہے وہ اس لئے کہ نبض کا مزاج سمجھے اور بیمار مزاج کی اصلاح کی کوشش کرے اور ایک سیاستدان ہے جو قوم کی نبض پر انگلیاں رکھ دیتا ہے اس نیت سے کہ مزاج کو سمجھے اور بگڑے ہوئے مزاج کو اور ابھارے بالکل برعکس مقاصد کے لئے نبض دیکھی جاتی ہے اس وقت ہمارے غریب ملکوں میں یہی حال ہے کہ ہر سیاستدان سب سے بڑا قابل اور عیار اور شاطر سیاستدان وہ ہوگا جو قوم کی نبض بیمار سمجھ کر اس بیماری کو ابھارے اس کے ساتھ کھیلے اور اس کے نتیجہ میں اس بیماری کا پھل بن جائے، اس بیماری سے طاقت حاصل کر کے وہ قوم کا رہنما بنے۔

سیاست کے اس مزاج کی جب تک اصلاح نہیں کی جاتی ان کو سمجھایا نہیں جاتا کہ دیکھو! ہم لوگ مارے جارہے ہیں، مظالم میں پیسے جارہے ہیں۔ ہمارے ہاں غربتیں بڑھ رہی ہیں، سفا کی بڑھ رہی ہے، ظلم بڑھ رہے ہیں۔ ملک اقتصادی لحاظ سے جتنا جتنا نیچے گرے گا جرائم اتنا ہی زیادہ اوپر کی طرف بڑھیں گے کیونکہ یہ ایک طبعی قانون ہے جس کو آپ بدل نہیں سکتے اقتصادی گراوٹ کے نتیجہ میں لازماً جرائم بڑھتے ہیں اقتصادی ترقی سے بھی بڑھتے ہیں مگر اور قسم کے لیکن جب قوم اقتصادی ترقی کا کچھ مزا دیکھ لے اور کچھ مزاج گندے ہو چکے ہوں تو پھر اقتصادی گراوٹ بہت تیزی کے ساتھ جرائم کی پرورش کرتی ہے۔ پس آپ کا تو آوے کا آوا بگڑ چکا ہے یا اگر آج نہیں بگڑا تو بگڑ جائے گا، آثار بہت خطرناک ہیں، یہ ان کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ پھر یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ سیاست میں کچھ اصول بنایئے معاملات حل کرنے سے پہلے آپس میں یہ تو فیصلہ کریں کہ ہم دنیا میں عدل کو قائم کریں گے اور جو بھی معاملات طے ہوں گے عدل کے اصول پر ہوں گے کیونکہ عدل کا اصول کسی بارڈر کے پاس جا کر رک نہیں جایا کرتا، عدل ایک بین الاقوامی تصور ہے۔

ہندوستان پر بھی اسی طرح اس کی راج دھانی ہو گی جیسے پاکستان پر ہو گی لیکن عدل کی اطاعت تو قبول کریں اگر نہیں کریں گے تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

تلوار کے ذریعہ کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، تلوار کے ذریعہ اور زیادہ مسائل پیدا ہوں گے، خون بہیں گے غریبوں کے خون چوسے جائیں گے، دن بدن آپ کی اخلاقی حالتیں گرتی چلی جائیں گی، اس لئے ایک ہی طریق ہے جس کو آپ کو لازماً اپنانا پڑے گا یعنی عدل کا وہ تصور قبول کریں جو قرآن کریم نے پیش فرمایا ہے، وہ نہ مذہب کو جانتا ہے، نہ رنگ نسل کو جانتا ہے، نہ کسی جغرافیائی حدود کا آشنا ہے۔ وہ انسانیت کا آشنا ہے، انسانیت کا دوست ہے پس یہ قطعی فیصلہ کرنے کے بعد جو بہت مشکل اور کڑوا فیصلہ ہے پھر بعض نتائج نکالنے ہوں گے پھر قوم کی تربیت کرنی ہو گی دونوں طرف ایک بڑی وسیع مہم چلانی ہو گی کہ قوم کے مزاج میں عدل داخل کیا جائے ان کی نفسیاتی کمزوریوں کو پکڑ کر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

اس ضمن میں ایک بہت ہی اہم بات مذہب سے تعلق رکھنے والی ہے ان دونوں ملکوں میں مذہب کا استعمال اتنا بھیانک ہے اور اتنا منفی ہے کہ اگر سیاسی اصلاح ہو بھی جائے تو مذہب اس قوم کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ مذہب میں آج تک شاید کسی قوم میں ایسی Tragedy، اتنا بڑا المیہ نہ ہوا ہو گا جتنا اس وقت پاکستان اور ہندوستان میں کھیلا جا رہا ہے **یعنی دونوں طرف ایسے مذہبی دیوانے ہیں جو مذہبی تعلیم کے دشمن ہیں اور مذہبی نظریات کے عاشق ہیں۔ اتنا بڑا تضاد ہے کہ اس تضاد کے ساتھ سچائی کہیں پنپ ہی نہیں سکتی۔** ہندو بھی ہندو نظریئے کے عاشق ہیں لیکن ہندو اخلاقی تعلیم سے کلیۃً نا آشنا ہیں اور ادھر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اخلاقی گراوٹ روزمرّہ زیادہ سنگین ہوتی چلی جا رہی ہے، لیکن نظریات کی حفاظت کی خاطر سب کچھ قربان کر رہے ہیں اور نظریات جو اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اس طرف کوئی توجہ نہیں، اس لئے صرف سیاست کی اصلاح کی بات نہیں ہے۔ سیاست کو مذہبی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرنی ہو گی اور پہلی توجہ تو یہ کریں کہ مذہب میں دخل اندازی چھوڑ دیں۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ سیاست خود مذہب کو گندا کرنے میں مددگار ثابت ہو جاتی ہے۔ وہی نبض والا حال ہے، مذہبی لوگوں کی نبض پر سیاستدان ہاتھ رکھتا ہے اور ان میں جو شریف النفس لوگ ہیں ان کو ناکارہ کر کے ایک طرف پھینکتا چلا جاتا ہے، وہ جو حق گو ہیں جو ہر حال میں کلمۂ حق بیان کرنے کی

طاقت رکھتے ہیں وہ سیاستدان کے کسی کام کے نہیں رہتے، وہ سارے گندے انڈوں کی طرح ایک طرف پھینک دئے جاتے ہیں اور پھر سیاست کی نظر میں وہ صالح انڈے باہر نکالے جاتے ہیں جن میں سے ہر انڈا گندا اور بدبودار ہے جو زہر سے بھرا ہوا ہے اور ان مذہبی رہنماؤں سے آشنائی کی جاتی ہے جو مغلّظات بکتے، ہر طرف گند پھینکتے، ظلم کی تعلیم دیتے اور محبتوں کو مٹاتے اور نفرتوں کو اجاگر کرنے والے مذہبی لوگ یہ پھر سیاستدان کے قریبی اور دوست بن جاتے ہیں، دونوں طرف ہندوستان میں بھی اور پاکستان میں بھی مذہبی دنیا میں بعض اصول جاری کرنے کی ضرورت ہے، جس طرح سیاست میں عدل کے تصور کو اپنانے کے بعد اور اس اصول کو پکڑنے کے بعد پھر مسائل حل ہو سکتے ہیں اسی طرح مذہبی امور میں بھی بعض بنیادی اصولی فیصلے کرنے ہوں گے، ایک فیصلہ تو یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے مذہب کو اپنی سیاست پر حکمران نہیں بنائیں گے۔ یہ جو مضمون ہے یہ میں تفصیل سے سمجھاتا ہوں **مذہبی اقدار کو، مذہبی اخلاق کو سیاست پر حاکم کرنا ضروری ہے لیکن مذہبی نظریات کو اگر سیاست پر حاوی کریں گے تو دونوں جگہ مختلف قسم کی متقابل حکومتیں وجود میں آئیں گی اگر پاکستان میں مثلاً ایسی حکومت جسے وہ اسلامی کہتے ہیں** لیکن جس کا تصور ابھی تک واضح ہو کر کسی مولوی کے دماغ میں بھی آج تک نہیں ابھرا لیکن نعرہ موجود ہے۔ پس میں اس نعرے کے حوالے سے کہتا ہوں کہ جسے وہ اسلامی حکومت کہتے ہیں اگر وہ، وہ حکومت نافذ کریں تو جہاں تک میں نے ان کے اسلامی تصور کا مطالعہ کیا ہے وہ عدل سے عاری ہے وہ یکطرفہ ہے اس کا نعرہ ہی یہی ہے کہ اس ملک میں اول شہری مسلمان ہوگا اور ہر دوسرے شہری کے کوئی حقوق نہیں ہوں گے۔ مسلمان کے تابع ہوں گے۔ یہاں تک کہ مسلمان کے مقابل پر اس کی گواہی بھی نہیں سنی جائے گی۔ اس قسم کا خوفناک مذہبی نظام جاری کرنے کا تصور مولویوں کے دل میں ہے اگر اس تصور کو قبول کر لیں اور سیاست کو مذہب کے تابع کر لیں تو اس کے برعکس ہندوستان میں بھی یہ حق ہوگا اور ایک طبعی انسانی حق ہوگا کہ وہ ہندو تصور کو وہاں نافذ کریں پس اگر ہندوستان میں ہندو مذہبی تصور قانون کا حصہ بن جائے یا قانون پر حکومت کرنے لگے اور پاکستان میں مسلمانوں کا موجودہ اسلامی تصور پاکستان کا حکمران ہو جائے تو ناممکن ہے کہ قیامت تک ان دونوں قوموں میں صلح ہو سکے پھر تو دونوں طرف خون کی ہولیاں کھیلی جائیں گی اور ایک دوسرے سے نفرت ہمیشہ بڑھتی ہی چلی جائے گی اور سیاسی اصلاح ایک کوڑی کے کام کی بھی نہیں رہے گی اس لئے

یہ دونوں اصلاحیں بیک وقت ضروری ہیں۔

یہ اصول بنانا ضروری ہے کہ ہندوستان میں بھی حکومت آزاد ہو اور انصاف پر مبنی ہو، کسی ایک مذہب کے تصور پر مبنی نہ ہو، تمام بنی نوع انسان جو اس ملک کے باشندے ہوں، ان کے تمام کے حقوق برابر ہوں اور چونکہ ان کے مذہب مختلف ہو سکتے ہیں اس لئے مذہب کی طرف سے حقوق نہیں بانٹے جائیں گے بلکہ ایک یکساں انسانی اصول کے تابع حقوق بانٹے جائیں گے اور وہ وہی تصور ہے جس کو قرآن کریم عدل وحق کے تصور کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ فیصلہ جب ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی بعض مزید کڑیاں ہیں، ان کو بھی دیکھنا ہوگا، ان پر بھی ہاتھ ڈالنا ہوگا ورنہ صحیح معنوں میں انصاف کے ساتھ ان باتوں پر عمل ہو نہیں سکتا یعنی سنجیدگی اور سچائی کے ساتھ ان باتوں پر عمل ہو نہیں سکتا وہ ہے مذہبی نفرتیں پیدا کرنے کا رجحان مذہب میں ایک دوسرے کے خلاف غلیظ زبانیں استعمال کرنے کا رجحان مذہبی دل آزاری کا تصور اور یہ کوشش کہ مذہبی دل آزاری کے نام پر ہر مقابل کے حقوق تلف کر لئے جائیں یہ بیماریاں ہیں جن کی اصلاح کے بغیر اعلیٰ درجے کا مذہبی ماحول قائم نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلہ میں اصول کے طور پر تین، چار باتیں میں مختصرً ا آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

پہلا مذہبی اصول جو دونوں طرف تسلیم کرنا اور پھر اس کو سمجھوتوں کے ساتھ رائج کرنا ضروری ہے وہ مذہبی آزادی ہے ہر قوم کو، ہر قوم کے ہر طبقے کو، ہر مکتبہ فکر کو مذہبی آزادی کا حق ہوگا اس پر دونوں حکومتوں کے سمجھوتے ہونے ضروری ہیں اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے مذہبی آزادی کا حق جب آپ دیتے ہیں تو اگلا قدم تبلیغ کا بیچ میں داخل ہو جاتا ہے کیا الف کو ب کو تبلیغ کرنے کی اجازت ہے یا ب کو بھی الف کو تبلیغ کرنے کی اجازت ہے مذہبی آزادی کے تصور میں ہر طرف سے ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے انسان کو برابر تبلیغ کا حق ہوگا۔ جب تبلیغ کا حق دیتے ہیں تو پھر فتنہ فساد کا گویا دروازہ کھولا جاتا ہے کیا تبلیغ کا حق دینا اور فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یہ مسئلہ حل کرنا ضروری ہوگا۔ تبلیغ کے ذریعے فتنہ کیوں پھیلتا ہے پہلے تو اس پر غور کرنا ضروری ہے اگر اس لئے پھیلتا ہے کہ تبلیغ کرنے والا غلیظ زبان استعمال کرتا ہے، گند بولتا ہے، مخالف آدمی کو اور اس کے رہنماؤں کو گالیاں دیتا ہے اور جہاں زور چلے وہاں تلوار استعمال کرتا ہے تو پھر اس چیز کا نام تبلیغ کی آزادی یا تبلیغ کا حق دینا نہیں ہے۔ یہ تو حد سے زیادہ حماقت اور جہالت ہے اسے تبلیغ قرار دے ہی نہیں سکتے، اس

لئے اس کو تبلیغ کا حق قرار دے کر اس کو کسی ملک میں جائز قرار دینا خودکشی کے مترادف ہوگا۔

دوسری دیکھنے والی بات یہ ہے کہ تبلیغ کے نتیجہ میں فساد کیوں ہوتا ہے اس کا کوئی اور جواب کیا ہے اس کا دوسرا جواب اور حقیقی اور اصل جواب وہ ہے جو انبیاءؑ کے آغاز پر ان کی خون سے لکھی ہوئی تاریخ سے ہمیں ملتا ہے۔ دنیا میں جتنے انبیاءؑ آئے ہیں جتنے بڑے بڑے مذہبی رہنما اور مقدس بزرگ پیدا ہوئے ہیں انہوں نے جب بھی تبلیغ کی ہے تو فتنہ اور فساد ہوا ہے اور خون بہایا گیا ہے اور یہ بات آغاز آفرینش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مکالمے کی صورت میں لوح محفوظ پر لکھ رکھی تھی اور قرآن کریم نے اس لوح محفوظ سے لے کر ہمارے سامنے بیان کی خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں دنیا میں ایک خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا اس لئے کہ وہ زمین میں خون بہائے اور فساد برپا کرے، تو فرشتوں نے بھی اپنی لاعلمیت کے نتیجہ میں یا معصومیت کے نتیجہ میں ابن آدم کو خدا کے خلیفہ کو ہی اس فساد اور اس فتنے کا ذمہ دار قرار دے دیا جو اس کی پیدائش کے بعد ظہور میں آنا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو رد فرما دیا، غلط قرار دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ غلط تجزیہ کر بیٹھے ہیں۔ پس سیاستدان کے لئے بھی ضروری ہے کہ خدا کے تجزیئے کو قبول کرے اور ان کو جو فرشتے دکھائی دیتے ہیں ان کے تجزیہ کو رد کر دیں ان کو تو آج کل اپنے مولوی ہی فرشتے دکھائی دیتے ہیں اگر ان مولویوں کا تجزیہ شیطان کے تجزیے سے ملتا جلتا ہو تو وہ تجزیہ جہنم میں پھینکنے کے لائق ہے۔ خدا ہی کا تجزیہ درست ہے اور اللہ کا تجزیہ ہے جو بعد میں نبوت کی تاریخ کی صورت میں ہمارے سامنے کھلا ہے اور کھلتا چلا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبیوں نے تبلیغ میں ہمیشہ محبت سے پیغام دیا ہے، عقل سے پیغام دیا ہے، انصاف کے ساتھ پیغام دیا ہے، صلح کا پیغام دیا ہے اور ہدایت اور حق کی طرف جس کو وہ ہدایت اور حق سمجھتے تھے پورے خلوص کے ساتھ بلایا ہے، قوم کو مار مار کر یہ باتیں نہیں سمجھائیں بلکہ یہ باتیں سمجھاتے رہے یہاں تک کہ قوم نے مار مار کر ان کو لہولہان کر دیا۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ جب طائف گئے تھے تو اس وقت بھی تو ایک فتنہ پیدا ہوا تھا۔

آج کے سیاسی رہنما اس ایک واقعہ کو ہی دیکھ لیں تو ان کے چودہ طبق روشن ہو جائیں تب ان کو سمجھ آئے کہ فتنہ ہوتا کیا ہے اور تبلیغ کی آزادی کا حق کس کو کہتے ہیں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ایک غلام کو ساتھ لے کر طائف کی سنگلاخ پہاڑیوں پر گئے اور تبلیغ شروع کی تو چاروں طرف سے

گالیوں کی بوچھاڑ ہوئی قوم کے سردار نے آپ کے پیچھے غنڈے اور لفنگے لگا دیئے، جھولیوں میں پتھر بھرے ہوئے تھے، منہ سے گالیاں بک رہے تھے اور آنحضرت ﷺ پر پتھر برسا رہے تھے یہاں تک کہ خون بہتا بہتا جوتیوں میں چلا گیا اور اپنے اس خون کی دلدل سے پاؤں اٹھانا مشکل ہو رہا تھا بڑے صبر کے ساتھ، بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ اسی طرح حق کا پیغام دیتے ہوئے آپؐ اس بستی سے باہر نکلے۔ (الحلبیہ جلد اصفحہ:۳۵۴) وہ وقت تھا جبکہ آدم اور خدا کا مکالمہ ایک حقیقت کے طور پر دنیا کے سامنے ابھرا ہے اور اس مکالمے کی صداقت کو پہچاننے کا اس سے بہتر کوئی وقت کبھی دنیا پر نہیں آیا۔ تو کونسا فساد تھا اور کون سا خون تھا جو بہایا گیا وہ اس سب سے سچے انسان کا، دنیا کے سب سے معصوم انسان کا خون تھا جو بہایا گیا تھا۔ اس نے کسی کا خون نہیں بہایا تھا فساد اس کے خلاف استعمال ہوا تھا۔ اس نے خود فساد برپا نہیں کیا تھا۔

پس ہر شخص کا یہ حق ہے کہ وہ اس بات کا پیغام دوسرے کو پہنچائے جس کو وہ سچائی سمجھتا ہے اس کے نتیجہ میں اگر فساد برپا ہوتا ہے تو فساد برپا کرنے والے اس کے ذمہ دار ہیں خدا اور خدا کے نبی اس کے ذمہ دار نہیں، پس اگر اس اصول کو سمجھ کر دنیا میں انصاف قائم کرنا ہے اور مذہبی آزادی کا حق دینا ہے تو تمام مذہبی فساد دنیا سے مٹ سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں اگر ایک کروڑ آدمی بھی ایک معصوم آدمی کے درپے ہوں گے تو ارباب حکومت جب تک اس حکومت پر فائز ہیں وہ ایک کروڑ کی مخالفت کریں گے اور اس ایک کے حق میں بولیں گے کیونکہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کا خون طائف میں بہایا جا رہا تھا تو تمام دنیا کے اربوں انسان بھی اگر اس وقت آپ کے مخالف ہوتے تو خدا اور اس کے فرشتے ایک محمد کی تائید میں کھڑے ہو جاتے اور ان کروڑوں کو جھوٹا قرار دیتے اور ہلاک ہونے کے لائق قرار دیتے۔

یہ انصاف کا قانون ہے جو مذہب کی دنیا میں لازماً لاگو کرنا ہوگا اس کے بغیر مذہبی دنیا میں امن قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وہ انصاف تھا جس نے نوحؑ کی قوم کے ساتھ ایک سلوک کیا ہے۔ عجیب انصاف ہے چند آدمیوں کی خاطر لاکھوں کو صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے کلیۃً مٹا دیا گیا لیکن اس لئے کہ وہ فساد کے ذمہ دار تھے، نہ کہ وہ چند معصوم۔ آج کل کی حکومتوں کا یہ قانون ہے کہ یہ دیکھو کہ دو متبادل گروہوں میں سے کمزور کون سا ہے اور طاقتور کون سا ہے اور یہ تسلیم شدہ سیاسی اصول ہے کہ ہرگز کمزور کی خاطر خواہ وہ حق پر ہو طاقتور اکثریت سے مقابلہ نہیں کرنا، اگر یہ اصول آپ کی سیاست کا

راہنما رہا تو نہ ہندوستان میں شرافت زندہ رہ سکتی ہے نہ پاکستان میں شرافت زندہ رہ سکتی ہے اور بھی اس قسم کی باتیں ہیں جو مختلف زاویوں سے بیان کی جاسکتی ہیں لیکن وقت چونکہ تھوڑا باقی رہ گیا ہے اس لئے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ایک دو اقتباس پیش کر کے اب اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

''اس بات کو کون نہیں جانتا کہ سخت دشمنی کی جڑھ ان نبیوں اور رسولوں کی تحقیر ہے جن کو ہر ایک قوم کے کروڑ ہا انسانوں نے قبول کرلیا ہے''۔

(چشمہ معرفت۔روحانی خزائن جلد نمبر ۲۳ صفحہ ۳۸۳)

''دنیا کی مشکلات بھی ایک ریگستان کا سفر ہے کہ جو عین گرمی اور تمازت آفتاب کے وقت کیا جاتا ہے۔پس اس دشوار گزار راہ کے لئے باہمی اتفاق کے اس سرد پانی کی ضرورت ہے جو اس جلتی ہوئی آگ کو ٹھنڈی کردے اور نیز پیاس کے وقت مرنے سے بچاوے۔ایسے نازک وقت میں یہ راقم آپ کو صلح کیلئے بلاتا ہے جبکہ دونوں کو صلح کی بہت ضرورت ہے۔۔۔''

آپ ہندو اور مسلمان کو مخاطب ہیں۔آج میں بھی خصوصیت کے ساتھ ہندو اور مسلمان کو، پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو کو مخاطب ہوتے ہوئے یہ کہتا ہوں۔

''۔۔جبکہ دونوں کو صلح کی بہت ضرورت ہے۔دنیا پر طرح طرح کے ابتلاء نازل ہو رہے ہیں، زلزلے آرہے ہیں، قحط پڑ رہا ہے اور طاعون نے بھی ابھی پیچھا نہیں چھوڑا اور جو کچھ خدا نے مجھے خبر دی ہے وہ بھی یہی ہے کہ اگر دنیا اپنی بدعملی سے باز نہیں آئے گی اور بُرے کاموں سے توبہ نہیں کرے گی۔تو دنیا پر سخت سخت بلائیں آئیں گی۔'' (پیغام صلح۔روحانی خزائن جلد:۲۳، صفحہ:۴۴۴)

میں جو ہندوستان اور پاکستان کو بار بار عقل اور انصاف سے سمجھوتوں کی تعلیم دے رہا ہوں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مجھے اس دنیا میں آئندہ بہت بہت خوفناک ابتلاء اور جنگیں دکھائی دے رہی ہیں جو میں سمجھا ہوں کچھ قرآنی تعلیم پر مبنی ایسے ابتلاء ہیں جو عالمگیر ہوں گے اور بہت بڑی تباہیاں لائیں گے اور کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پر مبنی کچھ سیاسی حالات

نے اپنے مستقبل کی اپنی کہانی جو آج کے افق پر لکھنی شروع کر دی ہے اس کو پڑھتے ہوئے مجھے معلوم ہے کہ بہت سخت دن آگے آنے والے ہیں اور غریب قوموں کا فرض ہے کہ آج سنبھلیں اور اپنے حالات درست کریں، ورنہ ان حالات کا مقابلہ کرنے کی کوئی صلاحیت ان میں باقی نہیں رہے گی۔ امیر قومیں ہمیشہ غریبوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر ان کو آپس میں لڑاتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں دونوں طرف کے وہ لوگ امیر قوموں کو اپنا ہمدرد سمجھ رہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے لڑتے ایک دوسرے کا خون چوس کر ہتھیار خریدتے اور وہ ہتھیار ایک دوسرے کا خون بہانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک مختصر سی کہانی ہے جو اس سارے دور کی تاریخ کا خلاصہ بن چکی ہے۔ ہر سیاستدان یہ جانتا ہے کہ Divide and rule کی پالیسی کوئی ایسی پالیسی تو نہیں جس کو سمجھنے کیلئے غیر معمولی عقل و دانش کی یا تعلیم کی ضرورت ہو۔

سکول کا بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ مغربی قوموں نے دنیا پر Divide and rule کے ذریعہ حکومت کی ہے اور ہمارے سیاستدان انہیں سکولوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔ جہاں ابتدائی قاعدوں میں یہ بات لکھی گئی تھی لیکن مرتے دم تک ہوش نہیں کرتے اس لئے کہ خود غرضی اندھا کر دیتی ہے جانتے ہیں کہ یہ غلط ہے، جانتے ہیں کہ ہم خود اپنے آپ کو ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنائے ہوئے ہیں اور ہمارے عوام کی عزت، ہماری قوم کا مستقبل داؤ پر لگ گیا ہے اس کے باوجود نفسانی خود غرضیوں کے نتیجہ میں وہ تین محرکات جو اس سیاست کے میں نے آپ کے سامنے رکھے تھے وہ ان کی آنکھوں کے سامنے پردے بن جاتے ہیں گویا کہ وہ تین پردے ہیں۔ جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ ایک کانوں پر پڑ جاتا ہے، ایک آنکھوں پر پڑ جاتا ہے اور ایک وہ ہے جو دل میں مہر لگا دیتا ہے۔ تمام وہ صلاحیتیں مسخ ہو جاتی ہیں جن صلاحیتوں کی قوم کے راہنماؤں کو ضرورت پڑتی ہے۔

پس جماعت کو چاہئے کہ ساری دنیا میں یہ باتیں سمجھا سمجھا کر جہاد کریں۔ اگر ہم آج نہیں سمجھیں گے تو کل ہم سمجھنے کے لائق نہیں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ کم سے کم احمدیت کو یہ تو تسلی ہوگی کہ ہم اگر مرے ہیں تو راہ حق میں مرے ہیں، نیکی کی تبلیغ کرتے ہوئے مرے ہیں۔ ایسا شخص جو نیک کام پر جان دیتا ہے وہ جس قدم پر گرتا ہے شہادت کی زندگی اسے نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین